eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

شوکت صدیقی کے ناول "جانگلوس" میں مختلف جرائم کی عکاسی

The Depiction of Various Crimes in Shaukat Siddiqui's Novel "Jangloos."

امتثال ارشد، پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر میمونہ سبحانی, ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Imtisal Arshad, Email:

Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Government College University Faisalabad

Dr. Mamuna Subhani

Associate Professor, Department of Urdu, Government College University Faisalabad

ABSTRACT

Shaukat Siddiqui's novel Jangloos gives a clear and powerful picture of crime and corruption in Pakistan's social and political system after partition. The story takes place in both villages and cities and shows the difficulties faced by poor and oppressed people as they fight against injustice. The characters in the novel—ranging from farmers and thieves to corrupt landowners and politicians—are involved in different types of crimes, such as stealing, murder, land grabbing, and exploiting the weak. The beauty of this novel is that it fits in current situation of Pakistan as well.

KEY WORDS: Shukat Siddiqui, Jangloos, Crime, Poor, Rich, Depiction

کلیدی الفاظ: شوکت صدیقی، جانگلوس، جرم، غریب، امیر پیشکش

شوکت صدیقی ایک مشہور اردو ناول نگار اور پاکستانی مختصر کہانی کے مصنف ہیں جو اپنے ناول خدا کی بستی کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ شوکت صدیقی ۲۰ مارچ ۱۹۲۳ کو لکھنؤ، برطانوی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ میں پولیٹیکل سائنس میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۰ میں کراچی آ گئے۔ ۱۹۲۵ میں انہوں نے کراچی میں ثریا بیگم سے شادی کی۔

ناولوں اور کئی مختصر کہانیوں کے مجموعوں کے مصنف ہونے کے علاوہ وہ اردو کے ایک نامور صحافی کے طور پر بھی پہچانے جاتے ہیں اور کئی نامور صحافیوں نے ان سے صحافت سیکھنے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کئی ہفت روزہ اور روزناموں سے وابستہ رہے۔ تاہم انہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز ۱۹۴۴ میں ماہنامہ الترک سے کیا۔ وہ روزنامہ "مساوات" کراچی کے بانی ایڈیٹر اور روزنامہ "مساوات" لاہور اور "انجام" اخبار کے چیف ایڈیٹر بھی تھے۔ وہ کچھ عرصہ کراچی کے ہفتہ وار میگزین الفتح کے صدر بھی رہے جس میں کئی ادبی صحافیوں نے کام کیا، جن کا شمار آج پاکستان کے صف اول کے صحافیوں میں ہوتا ہے۔

شوکت صدیقی نے کئی ڈرامے، کالم، ناول اور ناول لکھے۔ ان کے کالم ''طبقاتی جدوجہد اور بنیاد پرستی'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ ان کے خیالی مجموعوں میں دی تھرڈ مین (۱۹۵۲)، اندرا اور اندرا (۱۹۵۵)، رتن کا شہر (۱۹۵۶) اور دی الکیمسٹ شامل ہیں۔ ۱۹۴۵. شوکت صدیقی کے ناولوں میں کامن جاہ (۱۹۵۶)، خدا کی بستی (۱۹۵۸)، جنگلوس (۱۹۸۸) اور چار دیواری (۱۹۹۰) شامل ہیں۔

" جانگلوس " ان کا ایک طویل ناول ہے جس کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس ناول کو الف لیلیٰ پنجابی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ان کا ناول خدا کی بستی ۴۶ ایڈیشنوں میں شائع ہو چکا ہے اور یہ واحد اردو ناول ہے جس کا ۴۲ دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

'خدا کی بستی' کو حال ہی میں تیسری بار قومی ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ کیا گیا، جب کہ 'جنگلوس' کے ٹیلی ویژن پروڈکشن رائٹس بھی نجی ٹی وی چینل خرید رہے ہیں۔ ان کے ناول ''شر دیواری'' کا نام لکھنوی الف لیلیٰ ہے۔ لکھنؤ کے زوال پذیر معاشرے کی کہانی جہاں تہذیب دم توڑ رہی تھی اور ایک اور دنیا جنم لے رہی تھی۔ لیکن یہاں کے لوگ پرانی یادوں اور عظمتوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔

ان کا انتقال ۱۸ دسمبر ۲۰۰۶ کو کراچی میں طویل علالت کے بعد ہوا اور انہیں کراچی میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔ شوکت صدیقی کے ناول ''جانگلوس'' میں جرائم کی پیش کش اُردو ناول میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ شوکت کے تین اہم ناول ادبی منظر نامے میں اپنی اہمیت کا اعلان کر چکے ہیں۔ جن میں ''خدا کی بستی''،'' جانگلوس'' اور ''کمیں گاہ'' زندگی کے مختلف امکانات اور ان سے پیدا ہونے والے حالات کی ترجمانی ہے۔ شوکت صدیقی اس مہارت سے

لبریز ہے کہ اس کے ناولوں میں معاشرتی نقائص کے تمام تر رموز کو سامنے لانے کی قوت موجود ہے۔

شوکت صدیقی معاشرے کے اندر اُتر جاتے ہیں اور حالات کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے پر تل جاتے ہیں۔ شوکت کا ناول اس تناظر میں اپنی اہمیت کا مسلمہ ثبوت ہے۔ یہ ناول ۱۹۷۸ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ناول ٹیلی ویژن پر چلایا گیا۔ لیکن کچھ قسطوں کے بعد اس کو روک دیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر یہ ناول ٹیلی ویژن پر مسلسل چلایا جاتا تو ہمارے سماج کے عامرانہ صفت جاگیر دار کبھی اس بات کو برداشت نہ کر سکتے کہ دیہات میں رہتے ہوئے یہ لوگ کس طرح کیڑے مکوڑے ہوتے ہوئے بھی ہمارے سامنے آنکھ اُٹھا کر زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہیں۔ یعنی اس سارے عمل کے وقوع پذیر ہونے سے جاگیر دار طبقے کا اصلی چہرہ سامنے آجاتا کہ وہ کس قدر سفاک اور ظالم ہیں۔ جانگلوس کے مصنف نے اس جاگیر دارانہ طبقے کی وہ حالت ہمارے سامنے رکھی ہے جسے پڑھ کر، سن کر، دیکھ کر انسان کو انسان کہنا برائی لگتا ہے۔ اس ناول میں زنا، رسہ گیری، اسمگلنگ، قانون شکنی عام طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خان کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''جانگلوس'' دیہی انڈر ورلڈ کی حالت ہے۔ یہ عجیب بھی لگ سکتا ہے، تاہم جاگیر دارانہ آلہ بھی انڈر ورلڈ یا جرائم کی دنیا کی ایک قسم ہے۔ کسانوں پر ظلم، دیہی انسانوں پر قبضے، اغوا، لڑکیوں کا استحصال، جاگیر داروں کی ذاتی جیلیں، ان کے اپنے سفاکانہ انصافی گیجٹ، بے گناہوں کا قتل، اور معصوم اور بے ضرر نوکروں کا قتل عام سب جانتے ہیں۔ نوکر جاگیر دار اور زمیندار ہیں۔ قتل اور انسانوں کے خلاف واقعات میں ملوث ہونا سیاست میں ان انسانوں کے جرائم کی فہرست ہے۔''(۱)

شوکت صدیقی کے ناول میں جرائم کی پیش کش تو ہوئی سو ہوئی لیکن بالغ نظر مصنف نے ان جرائم کے سارے عوامل کو بھی زیر نظر رکھا تا کہ معلوم ہو سکے یہ سارا معمہ کیوں ہوتا ہے یعنی جرائم کے محرکات کیا ہیں اور مجرم ان کو اپناتے ہوئے کس طرح مطمئن ہوتا ہے۔ یہ ناول دو اہم کرداروں کے گرد گھومتا ہے۔ ''لالی'' اور ''رحیم دار'' نے چھوٹے موٹے جرائم کر کے جیل دیکھ رکھی تھی۔ وہ دونوں جیل سے بھاگنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور بھاگتے ہوئے ان کا اپنا علاقہ ان کے لیے غیر محفوظ تھا اس لیے وہ مختلف جاگیر داروں کے یہاں ملازمت پیشہ اختیار کر کے رہتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ رحیم دار اور لالی جیل توڑنے میں کامیاب کیسے

ہوتے ہیں۔ جب کہ قانون کے محافظ وہاں پہرے دار ہیں۔ اس پر شوکت صدیقی واضح کرتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ مل کر اس جرم کو مکمل کرتے ہیں۔ قانون کے رکھوالے کچھ پیسے لے کر ان کو بھاگنے اور نہ گرفتار کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔ اس طرح شوکت صدیقی ان محرکات پر بھی گہری نظر سے کام لیتا ہے کہ کس طرح اس جرم کے محرکات نے اس عمل کو مکمل ہونے دیا۔

اسی طرح ناول میں موجود جاگیر داروں کے رویوں پر بحث کرتے ہوئے شوکت صدیقی واضح کرتے ہیں کہ بڑے جاگیر دار چھوٹے زمین داروں کی زمینوں کو ہڑپ کر لیتے ہیں اور اُن کو اپنے یہاں مزارعے بنا دیتے ہیں۔ جاگیر داروں کا یہ رویہ محض پولیس کی سرپرستی کی وجہ سے ہے۔ ایک جاگیر دار دلدار نامی شخص کی زمین چھین کر اسے اپنا مزارع بنا کر زمین پر کام کرواتا ہے۔ دلدار کے ساتھ اس کا سالا بھی تھا۔ جو اس ظالمانہ رویے کے خلاف ایک باغی آواز تھا لیکن اسے مروا کر درخت کے ساتھ ٹانگ دیا جاتا ہے تاکہ سارے معاشرے کے لیے نشانِ عبرت بن سکے اور کوئی جاگیر دار کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ دلدار نے پولیس تھانے سے رجوع کیا لیکن سب کچھ بے سود۔

> "اگر آپ کو تھانے جانے کا وقت گزر چکا ہوتا، تو آپ نے کاغذ چاک کر لیا ہوتا، البتہ یہ ضرور ہو چکا تھا۔" لیکن پولیس افسر اس رات عارف اور ملیرا کے ساتھ حویلی کے اندر بیٹھ کر شراب پیتا رہا۔ اور ادریس کا جسم درخت سے ٹکرانے لگتا ہے۔ اس کے قاتل بھی نشے میں تھے اور انسانوں کو مارتے رہے تھے۔ خوشی سے بانہیں لارلار کے بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ "(۲)

محولہ بالا اقتباس اس بات کا آئینہ دار ہے کہ معاشرہ کس طرح امیر، جاگیر دار اور زمیندار طبقے کے نیچے رہتے ہوئے جی رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے مجرموں اور ملزموں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہوتی ہے اور سارا معاشرہ اسی سسٹم کے نیچے دبتا چلا جاتا ہے۔ میاں داد بھی کچھ اسی قسم کے جاگیر دار کا کردار ہے۔ وہ ہمیشہ لوگوں کو ان کی کمزوریوں سے استعمال کرتا ہے۔ مزارعوں کے مویشیوں کو چرا لیا جاتا ہے۔ انھیں بلیک میل کر کے اُن سے کام لیے جاتے ہیں۔ یہ جاگیر دار نور دین کی بیوی کو اغوا کروا لیتا ہے۔ اس سارے عمل میں وہ نور دین سے اس کی بیوی کے اغوا کو تلاش کرانے کے لیے چوری کے جرم میں ملوث کرواتا ہے۔ اس سے علاقے کے مختلف لوگوں کے مویشی چرانے کے لیے اُکساتا ہے اور چوری کروا بھی لیتا ہے۔ ایک اور زمین دار ہے جس کا نام جامی ہے۔ اس میں تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں جاگیر دار

مل کر کے نور دین کی بیوی کو جسمانی تعلقات کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ظالم دوسرے ظالم کے لیے راستے ہموار کرتا ہے۔ اور دونوں مل کر ایک دوسرے کو غلط کاریوں سے محفوظ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے جرم چھپانے کے لیے ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔

> "یہ اصل پھول ہے۔ ہاں، وہ ہر ایک رسیلی ہیں۔" نورین نے تلخی سے کہا۔ دونوں چوری شدہ سامان کو منتخب کرتے ہیں اور انہیں ہر مختلف کو بھیج دیتے ہیں۔ پولیس چھاپہ مارے تو بھی حویلی سے تورا برآمد نہیں ہوتا۔"(۳)

ایک دوسرے کو عیب داری سے چھاپنے کا عمل اس قدر قبیح ہے کہ سارا معاشرہ اس میں پسپائی کی علامت بن کر رہ جاتا ہے۔ یعنی زمین دار لوگ ایک دوسرے کو چھپاتے رہے ہیں اور چھپاتے رہیں گے تو کس کو انصاف ملے گا۔ طاقت کا استعمال ہمیشہ معاشرتی استحصال کا سبب رہا ہے۔

اس سارے ناول میں مختلف مقامات پر قتل و غارت کے بے تحاشا معاملات ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تمام کردار جس بھیانک حالت کے ساتھ سامنے آتے ہیں وہ قابلِ حیرت و تعجب ہے۔ ناول میں ایک کردار شاداں کا ہے۔ جس کو بالا نامی شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔ شاداں سارا کچھ بالے کے لیے چھوڑ چھاڑ کر آجاتی ہے۔ اور اسے اپنا سارا کچھ تسلیم کرتے ہوئے اس یقین کے ساتھ آتی ہے کہ اب وہ اپنی محبت کو پا چکی ہے۔ اُس کا اِس محبت پر یقین اور محبت کیے جانے والے شخص کا دوسری عورتوں میں دل لگانا شاداں کے لیے زہرِ قاتل ثابت ہوتا ہے۔ اور محبت کا یہ خطرناک جذبہ انتہائی حالت میں ڈھل کر ایک قاتلہ کا کردار اپناتا ہے۔ اور شاداں بالآخر اپنے محبوب "بالے" کو قتل کر کے اسی کمرے میں دبا دیتی ہے۔ جہاں اس نے اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی تھی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جس سے محبت کی جائے اس کا بدلنا کسی طرح بھی زہر قاتل سے کم نہیں ہے۔ رحیم داد کا ایک حیم کا قتل بھی اسی صورتِ حال کی عکاسی ہے کہ معاشرہ کس بے چینی اور بے قراری کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے مدار میں اپنے سے کم طاقت ور کو دباتا چلا جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ایک جگہ پر ناول میں موجود ہے کہ جاگیر دار میاں داد کا ملازم بغاوت کرتا ہے تو قتل کروا دیا جاتا ہے۔

ہر وقت ظلم و ستم کا بازار گرم رہتا ہے۔ ڈاکٹر حنیف فوق لکھتے ہیں:

پاکستان میں جاگیردارانہ معاشرہ اپنے نقائص اور سڑنے کی وجہ سے ختم ہوا۔ بلکہ، یہ نئی شکل، نئی کمپنی اور نئے دباؤ کے ساتھ ایک قسم کے مواقع کے نیچے نظر آتا ہے۔ یہ نئی تنظیم، نئی توانائی، البتہ نئی بے رحمی اور نئی دہشت گردی، جیسا کہ شوکت صدیقی کی مدد سے بیان کیا گیا ہے، اردو میں کہیں نظر نہیں آتا۔ ان کی حقیقت پسندی ایک سفاک حقیقت پسندی بن جائے گی جو انسانی جدوجہد کے ساتھ ماحول کی عدم مطابقت کو یکجا کرتی ہے۔"(۴)

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ ناول نگار نے کس سلیقے سے سارے معاشرے کی ابتری کو غیر محسوس طریقے سے سپردِ قلم کر دیا ہے۔ ناول وہ صنفِ ادب ہے جس نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو بیان تک لے جانے کی کوشش حتی المقدور کی ہے۔ ناول نگار نے مجرموں کی صفات، اوصاف اور ان کے محرکات پر مقدر بھر روشنی ڈال کر عکس بندی کی ہے۔ ''جانگلوس'' اپنی فنکارانہ صلاحیت سے لیس ناول ہے۔ جس میں جرم کی پیش کش طاقت کی بنیاد اور پناہ میں کی گئی ہے۔ جیسا کہ اغوا اور قتل کے مابین تعلق استوار کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

اغوا کے حوالے سے ''جرمیات'' کے مصنف کی رائے:

ترقی یافتہ ممالک میں امیر افراد یا ان کے بچوں کو اغوا کیا جاتا ہے جس کے بعد ان سے بھاری رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے امریکہ میں بھی بچے اور خواتین اغوا کی جاتی ہیں۔ بچوں کو بلا معاوضہ رکھا جاتا ہے۔ وہ بھیک مانگتے ہیں یا پیش کیے جاتے ہیں۔ خواتین کو جسم فروشی کے اڈوں میں رکھ کر ۵۰۰ روپے کمائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ پیسے کے لئے خریدے جاتے ہیں. ہر یو ایس اے میں سمگل کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کاروبار نہیں رکتا اور آئے روز بچوں اور بچیوں کی کمی کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ تھوک فروشوں کے منظم گروپ ہیں۔ بچے کو کہیں سے اٹھا کر کہیں پہنچایا جاتا ہے۔ ان انسانوں کے غیر ملکی اسمگلروں کے ساتھ روابط ہیں اور بہت سے بچے بڑے ہو کر بیرون ملک بین الاقوامی مقامات پر رہتے ہیں اور اپنی زندگی میں آرام کے لیے غلاموں کی طرح رہتے ہیں۔''(۵)

شوکت صدیقی نے اپنے ناول میں بہت سے کردار ایسے سموئے ہیں جن کا تعلق واضح طور پر طاقت اور بس طاقت سے ہے۔ ان میں ایک کردار نواز علی کھوکھر کا کردار ہے۔ یہ طاقت ور شخص اپنے اثر رسوخ کی وجہ سے عام لوگوں پر فرعون بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا دائرہ ظلم یہ

ہے کہ یہ لوگوں سے کلر اُٹھی زمینوں پر شورہ بنانے کا کام کراتا ہے جو کہ صدفی صد جان لیوا کام ہے لیکن طاقت اور نشے کی حالت میں زمین دار (نواز کھوکھر) اس عمل کو مسلسل کراتا رہاتا ہے۔ جس سے غریب لوگوں کی جان بھی چلی جاتی ہے لیکن اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ ہر حال میں ایک مضبوط حصار میں ہے۔ جو لوگ اس کا کام کرتے ہیں ان کے لیے رحم کا دروازہ کھلا ہے۔ یعنی یا تو کام کرتے کرتے مر جاؤ یا پھر کام سے بھاگنے کا سوچتے ہوئے اس کے ظلم و عتاب کا نشانہ بنو۔ لوگ جو اس کے کام سے بھاگتے ہیں انھیں قتل کر دیا جاتا ہے۔ یا کام کرنے والے لوگوں کے بچوں بیویوں کو اُٹھوالیا جاتا ہے تاکہ اس مجبوری کے تحت یہ کام کرتے رہیں۔ یہ سارا کچھ کرنے میں پولیس اس کی مدد و معاون ہوتی ہے۔ یہ وہ محرکِ جرم ہے جس بنیا دپر نواز کھوکھر اتنے ظلم روا رکھے ہوئے ہے۔

شوکت صدیقی ''جانگلوس'' میں حیات محمد کے کردار کو جس مہارت سے پیش کرتا ہے ملاحظہ ہو۔ جس کی بیوی اپنی دکھ بھری داستان جب لالی سے کہتی ہے تو شوکت صدیقی کا اشہبِ قلم کیا کام دکھاتا ہے:

> زائرین کی تفریح کے لیے حیات محمد کو میری ضرورت ہے۔ان کے ساتھ سو جاؤ۔اس کی آواز مکمل میں بدل گئی۔اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ میں اب تک آٹھ مہمانوں کے ساتھ سو چکا ہوں۔ پچھلی رات اس نے ۹ بجے میرے ساتھ سونے کی خواہش کی۔اسے کہتے ہیں سیاست۔ بادشاہ کہتا ہے۔اور جب میں بادشاہت اور سیاست میں اس کی مدد کرنے سے انکار کرتا ہوں تو وہ مجھے بے رحمی سے مارتا ہے۔ ہڈی پسلی کو توڑ دیتی ہے۔ آپ کو خون بہادیتا ہے۔ میں آپ کو کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ کیسے غلط کرتا ہے؟ وہ زمیندار اب بغیر سامان کے سب سے پیار نہیں کرتا۔ فاخرہ نے گہرا سانس لیا، جب تک وہ جاگیر دار ہے، وہ نہ میری بیٹی کی ہمشیرہ ہو سکتی ہے اور نہ ہی میرے شوہر۔''(۶)

محولہ بالا اقتباس اس بات کا غماز ہے کہ ہوا و ہوس کی آمد انسان کو کس اخلاقی پستی تک لے جاتی ہے۔ اپنی زمین داری، کر و فر، جاگیر داری کا شعلہ اونچا رکھنے کے لیے گھر کی عورتوں کی عزت بھی داؤ پر لگانا ان ظالموں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ اُردو ناول نگار نے کماحقہ کوشش کی ہے کہ اعلیٰ احساس اور معاشرتی نقص کو اعلیٰ طریقے سے بیان کیا جائے۔ علاقے، ملک، خطے میں جو بھی غیر

اہم یا معاشرتی سوچ کو تبدیل کرتا ہوا عمل وقوع پذیر ہوا۔اس نے معاشرے کے اثرات اور معاشرے پر اثرات قبول کیے ہیں۔

ڈاکٹر نجیبہ عارف کی رائے اس تناظر میں ملاحظہ ہو کہ کس طرح کوئی ملک علاقہ خطہ کسی واقعے کو محسوس کرتا ہے یا وہاں کے لکھاری اسے کس طرح اپنے موجودہ ادب کا حصہ بنا کر پیش کرتے ہیں:

''ملکی سیاست یا سماجی وجود کے افق پر جب بھی کوئی بہترین موقع پیش آیا، اردو ادیبوں کو اپنی تخلیق کا چیلنج ضرور پیش کرنا چاہیے۔''(۷)

یہی وجہ ہے کہ شوکت صدیقی کے ناول میں قابل ذکر واقعات کا رونما ہونا غیر فطری نہیں ہے۔اس نے ان کرداروں کی موجودگی سے پیدا شدہ چین کا علاج دریافت کرنا چاہتا تو کتھارسز کے طور پر ''جانگلوس'' میں ان چلتے پھرتے کرداروں کی زبان سے کام کروایا۔

''جانگلوس'' میں زمین کے الاٹ منٹ کے بھی قصے موجود ہیں۔ جہاں پر افسران کس ظلم و ستم سے امیر طبقے کو غریب طبقے کی زمینیں ہتھیا کر دلائی جاتی ہیں۔اس حوالے سے بھی ناول خاصا اہمیت طلب ہے۔اس معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ کس طرح ہر شخص ہوس میں مبتلا ہے کہ کیسے زمین کو ہڑپ کر لیا جائے۔ یہ وہ گندا نظام ہے جہاں سارے کا سارا عملہ ملوث ہوتا ہے۔ کلرک سے لے کر بیوروکریٹس تک اس گھناؤنے اور قبیح عمل کو اپنے لیے بہتر تصور کرتے ہیں۔ زمین کے بارے میں یہ تصور ہے کہ جہاں کوئی زمین خضالی ملی یا تو اسے اپنے نام کروالیا جائے یا پھر اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ شوکت صدیقی نے معاشرے کے ان ناسوروں کا علاج کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور چاہا ہے کہ اس آئینے میں سب کے چہرے صاف صاف دکھائی دیں۔ ویسے بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ جعل سازی عام دماغ کا کام نہیں ہے۔اس میں ہمیشہ شاطر دماغ کی کارروائی کارفرما ہوتی ہے۔ جس وجہ سے سارا ان کے سامنے ہوتا ہے وہ آسانی سے ان معاملات کو غلط سے درست بنانے میں کچھ وقت نہیں لیتے اور مسلسل اس عمل کو کر لینے کے بعد ان میں صلاحیت ہو جاتی ہے جسے مہارت کہتے ہیں۔ غلط کاری مضبوط بنیادوں پر ہو تو تعجب کی جگہ تو بچتی ہے۔ لیکن معلوم ہونے کی فضا دم توڑ دیتی ہے۔

جعل سازی کے حوالے سے جرمیات کے مصنف کی رائے ملاحظہ ہو:

"جعل سازی بھی ایک گروپ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بہت سے لوگ جعلی ٹیسٹ اور بہت سارے جعلی فاریکس کو بھی قبول کرتے ہیں۔ بہت سے جعلی تقرریوں یا تجارتی آرڈروں پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ بہت سے جعلی انسپکٹر

بنتے ہیں۔ جعلی سرکاری افسران کو ختم کرتے ہیں اور اجتماعی طور پر انسانوں کو امیر بناتے ہیں۔ جعلسازی کا استعمال کرتے ہوئے۔ "لیکن ایک دن وہ پکڑے جائیں گے۔"(۸)

اس طرح کے حالات ''جانگلوس'' میں بھی ملتے ہیں۔ جہاں افسران کلرکس اور بیوروکریٹس آپس میں مل کر لوگوں کی زمینوں کو جعل سازی ہڑپ کر لیتے ہیں۔ ناول کے مطابق ڈپٹی کمشنر صمدانی کے ایک دستخط سے کسی سے زمین چھین سکتے ہیں اور کسی کو زمین دلا سکتے ہیں۔ لیکن زنا کے مزے لوٹتا ہو ڈپٹی کمشنر صمدانی نواب فخر کی بیٹی گیتی آرا کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے اور نواب فخر و کو زمین کی الاٹ منٹ دے دیتا ہے۔ معاشرتی گراوٹ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کس ایک باپ اپنی زر دولت کی ہوس میں اپنی بیٹی کی پامالی کو بغیر محسوس کیے آگے بڑھتا ہے اور ڈپٹی کمشنر کو خوشی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ بے غیرت ہونا دولت مند ہونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کسی بھی شخص کے اندر یہ معاملات اس حد تک جا گزیں ہو سکتے ہیں۔ اس پر حیرت ہے۔ انسان اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوتا ہے۔ اسی منظر نامے کو تصویری حالت میں شوکت صدیقی نے ڈھالا اور مکمل دیہاتی جاگیردارانہ نظام استبداد کی تصویر کشی کی۔ قیام پاکستان کے بعد کا ایک منظر نامہ شوکت صدیقی یوں لکھتے ہیں کہ فخر و نے ان زمینوں کو بھی کلیم کیا جس کا کسی طرح سے بھی حق دار نہ تھا۔ یعنی وہ زمینیں مہاجر طبقے کے لیے دی گئی تھیں لیکن چند روپوں کی مدد سے اس نے ان مہاجر بخش زمینوں کو ہتھیا لیا۔ یعنی جعلی کلیم (Claim) کر کے حاصل کر لی۔ جب کہ اصل حق دار اس حق کو حاصل کرنے کے لیے دفتروں کے چکر کاٹتے رہے۔ اس دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے ان کاموں کو حتمی سطح پر یقینی بنایا جن کا تعلق اس بے ایمان جعل ساز طبقے کے لیے اصولی، انصافی سطح پر ممکن نہیں تھا لیکن ہو بھی کیا سکتا تھا۔ جب انسان کا تعلق دولت اور طاقت سے ہو تو سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں اس ناول میں آرام دے دیکھی جا سکتی ہیں۔ شوکت صدیقی حالت موجود کی تصویر ماضی کے تجربات کی بنیاد پر بنائی جس میں امارت اور غربت کے رنگ لگا کر بہترین منظر نامہ خلق کیا۔ یہ ناول اس اعتبار سے اپنی نوعیت اور تشکیل کے اعتبار سے منفرد اور ممتاز سے ہے۔ فخر و کی بیوی کا سا حوالے سے بیان ملاحظہ ہو جو اس نے اس شخص کے حوالے سے دیا۔ مہاجر طبقہ کا بے دری پر ہونا اور جعل ساز لوگوں کا زمینوں کو ہتھیانا۔ اس بیان سے مزید کھل کر سامنے آئے گا۔

"اوہ، میں کہتا ہوں، کس نے یقینی طور پر دعوی کیا؟" بیگم نے غصے سے جواب دیا۔ کس نے اب کوئی جعلی ریکارڈ نہیں بنایا؟ تم کیوں دور جا رہے ہو؟ آپ کے بٹ صاحب مہاجر کہاں سے ہیں؟ ساری زندگی سیالکوٹ میں رہے اور اب ہجرت کر گئے۔ لاہور میں ایک اضافی مختص ہو گیا ہے۔ آج کل وہ فیکٹری الاٹمنٹ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کی بیوی نے مجھے اطلاع دی۔ "(۹)

انصاف پسند ذہنیت کبھی اس بات پر اتفاق نہیں کر سکتی کہ معاشرے میں بے ایمانی کا چلن اور وہ آنکھیں بند کیے اس سارے سفر میں گزرتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عورت نے جیل الاٹ منٹ کے اس طرزِ عمل پر جس ردِ عمل کا اظہار کیا ہے وہ قابل داد اور انصاف پسند اقدام ہے۔ اس عورت نے معاشرے کے اس ناسور پر اپنا جرات مندانہ اعتراض کر کے یقین دلایا ہے کہ انصاف کے لیے ہر جگہ پر کوئی نہ کوئی ذہن ضرور بیدار رہتا ہے۔ اس بات پر تعجب ضرور ہوتا ہے کہ جانتے ہوئے بھی کوئی شخص اس بات سے گریز کر کے آگے نکل جائے تو یہ بات اپنی جگہ حیرت افزا ماحول کو جنم دیتی ہے۔ اس حوالے سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس معاشرے میں شعوری، حکمتِ عملی نہیں ہو گی وہ معاشرہ اخلاقی انہدام کی تصویر مرقع کرے گا۔ جس کا بین ثبوت جانگلوس میں مختلف مواقع پر سامنے آتا ہے۔ رحمٰن شاہ موضع جھبن کا رہائشی ہے اور علاقے پر ایک طرح سے چھایا ہوا ہے۔ اس نے بھی اسی روش کو اپناتے ہوئے مہاجرین کی زمینوں کو ہتھیانے کا دھندہ جاری رکھا ہوا ہے۔ شوکت صدیقی نے نورالٰہی کردار کے ذریعے اس شخص کی حالت کا جائزہ لیا ہے۔ نورالٰہی کو جب اس علاقے میں زمین الاٹ ہوتی ہے تو رحمٰن شاہ اس شخص کی زمین تنگ کر دیتا ہے اور اس کے رہنے کے مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ رحمٰن شاہ چوں کہ پڑھا لکھا شخص نہیں ہے اس لیے اسے اپنے نزدیک بد علم اور جاہل لوگوں کی ضرورت ہے۔ یعنی اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر کوئی صاحبِ علم شخص ادھر آجائے گا تو اس کی یہ ساری بنی بنائی بگڑ جائے گی۔ اس نے سارا بندوبست اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس کے نزدیک مصنف، صالح، عالم، بالغ سارا کچھ وہ خود تھا۔ اس سے کسی کو موقع ہی نہیں ملتا تھا کہ اس نے مخالف سوچ کو پیدا ہونے دے۔ یوں وہ اس خطے پر ایک طرح سے خدائی دعوے دار تھا اور حالات سارے کے سارے اس کے قبضے میں تھے اور وہ اس عمل کے نشے میں زندگی جاگیر دارانہ طرزِ عمل پر ڈال کر گزار رہا تھا۔

اس حوالے سے ناول "جانگلوس" سے اقتباس ملاحظہ ہو:

اس نے دربار لگار کھا تھا، سب لوگ باری باری پیش ہورہے تھے۔ جب میں پہنچا تو موضع شیکھر کا ایک دکاندار ملزم کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مخدوم سید رحمان شاہ نے ان سے درخواست کی۔ تم نے مسجد بنائی ہے، اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ رحمان نے غصے سے نظریں جھکا کر اسے ڈانٹا۔ مسجد کیوں بنائی؟ پھر جواب دینے سے پہلے بولی۔ لٰہذا حاکم کی اجازت کے بغیر موضوعات کے لیے مسجد بنانے کا حکم نہیں ہے۔ رحمان شاہ کو بھی ۶ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ اس کے بندوق بردار دکاندار کو پکڑ کر فوراً جیل لے گئے۔''(۱۰)

شوکت صدیقی نے یہی نہیں کہ دیہی علاقوں کے اس استبدادی نظام کو زیرِ نظر رکھا بل کہ اس کے ہاں قانون کے اطلاق کرانے والے ادارے بھی شامل ناول رہے اور ان کے کردار پر جو جو جہاں جہاں روشنی ڈالنے کی ضرورت تھی شوکت صدیقی نے ناول کو اس محرومی سے گزرنے نہیں دیا بل کہ سارے حالات و واقعات کو مختلف کرداروں سے تصویر کرنا مناسب سمجھا۔ ملاحظہ ایک اقتباس:

فخر نے ایک لاکھ روپے سے اوپر کہا تھا۔ سامان اضافی ہو سکتا ہے۔ نقدی کے علاوہ زیورات بھی موجود تھے۔ اس نے سوٹ کیس کا انتظام پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کا سنڈیکیٹ اب چھوٹے شکار کو نہیں مارتا۔ لالی حیران ہوا اور بولا: یار! یہ مکمل طور پر ضرورت سے زیادہ سائیکل ہے۔ لیکن یہ بھی خطرناک ہے۔ خطرناک شتر مرغ نہیں۔ اشرف ہنس دیا۔ وہ مہینے میں ایک بار باہر آتے ہیں اور شیروں کو مار دیتے ہیں۔ اب اکیلے نہ کھاؤ۔ وہ اجتماعی طور پر کھاتے ہیں۔ تمام اجزاء اوپر سے پیچھے کی طرف بندھے ہوئے ہیں۔ ''(۱۱)

شوکت صدیقی نے قانون ساز اداروں اور قانون نافذ کرانے والے اداروں کا عکس پیش کیا ہے کہ کیسے یہ سارے لوگ آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ نا صرف یہ کہ پورا معاشرہ اپنی اپنی جگہ پر ظالم اور مظلوم کے طبقے میں بٹا ہوا ہے بل کہ مختلف لوگ کس انداز سے ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔

قانون ساز اداروں سے آگے نکل کر ذرا ملاحظہ ہو ان خبیث صفت ذہنوں پر روشنی ڈالی ہوئی ہے ملاحظہ ہو کس طرح اس نے دو بھائیوں کے درمیان کس طرح جائیداد کے بٹوارے پر ہونے والے مسائل کس حد تک خطرناک ہو جاتے ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو پاگل خانے بھجوا دیتا ہے۔ اسے طرح طرح کے مصائب سے گزارتا ہے۔ بالآخر لالی سے کہتا ہے

کہ اسے قتل کر دے۔ لالی اسے قتل کرنے کی بجائے بچاتا ہے تو وہ حیات وٹو کس طرح لالی کو دھمکی دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

آخری ۳ ماہ کے اندر اس تہہ خانے میں ہماری تین لاشیں دفن کی گئیں۔ اسے بھی آپ کو بتانا چاہیے تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ چوتھا جسم اب تمہارا نہ ہو۔ اس نے پاس بیٹھے اپنے السیس کی طرف اشارہ کیا۔ جب دوسرا انجکشن دیا جائے۔ یہ تیندوا بن جائے گا۔ خون کا پیاسا ہونے کی وجہ سے، یہ چیر پھاڑ کر ہمیشہ کے لیے تباہ کر دیتا ہے جس پر بھی یہ حملہ کرتا ہے۔ ''(۱۲)

حیات وٹو کی ذہنیت کا معیار جس انداز سے شوکت صدیقی نے تصویر کشی میں ڈھالا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ وہ لوگ جو اپنی بیویوں تک کو اپنی ترقی کے حصول کے لیے دوسروں کو پیش کر سکتے ہیں اُن کے سامنے عزت غیرت شے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ محض ایک زندہ درندہ کی سی زندگی گزارتے ہیں اور مسلسل اسی میں پڑے رہتے ہیں۔ اسمبلی کی سیٹ حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی ناصرہ کو ایک دعوت میں یوں بہلاتا پھسلاتا ہے کہ سارا معاشرہ ترقی ہے تم اس بات پر دھیان دو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اپنی بیوی کو آلہ کار بنا کر زندگی کی سیڑھی پر آگے نکلنے کے لیے اس درندہ صفت ذہنیت ذرا بھی لرزہ براندام نہیں ہوتی اور وہ اس قبیح عمل کے لیے اپنی بیوی کو مناتا ہوا اس کے سامنے مستقل طور پر مطمئن رہتا ہے۔ اس کی بیوی جواب دیتی ہے اپنی عزت کی دہائی دیتی ہے۔ لیکن حیات وٹو جس بات پر بضد ہوتا ہے اس کے لیے اسے تیار کرتا ہے اور بالآخر اس سے کہتا ہے کہ ہم حکومت میں کس طرح مستحکم ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔ گھر میں ایک پارٹی کا انعقاد کرتا ہے اور بیوی کو ان الفاظ میں سمجھاتا ہے:

فضول باتیں مت کرو۔ اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔ آپ یہیں دو یا تین دن قیام کریں گے اور سالگرہ کی تقریب میں بھی شرکت کریں گے۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے ایک لمس کیا۔ پھر اس نے ناصرہ کے ہونٹوں کو چوما اور کہا۔ ناصرت، میرے مہنگے، مجھے یہ کرنا ہے اور تم اس میں میری مدد کرو۔ سمجھ لیں کہ اگر وہ وزیر بنتے ہیں تو حکومت میں ان کی پوزیشن مضبوط ہو سکتی ہے۔ مجھے وہ ملتا ہے جو میں حکام سے چاہتا ہوں۔ اس نے ہنستے ہوئے ناصرہ کو گلے لگایا۔ ''(۱۳)

حیات وٹو کا حلیہ کردار نگاری معاشرے میں بہروپیے کا ہے لیکن بہ باطن وہ اس قدر غلیظ گھناؤنا اور بدقماش شخص ہے کہ جس کی بدبو سے پورا معاشرہ سڑاند کا شکار ہو سکتا ہے۔ ایک

مہذب ماحول کا تہذیب یافتہ شخص کس قدر گندا کھیل کھیل سکتا ہے اس کا اندازہ حیات وٹو کی زندگی سے آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

میاں مشتاق احمد ''جانگلوس کا تنقیدی مطالعہ'' میں یوں لکھتے ہیں:

> اس فرد کے ذریعے مصنف نے رچی بسی بسند کو زمیندار کے طور پر فراہم کیا ہے۔ ظاہری نفاست اور شائستگی اور باطنی بغض کی حفاظت کرنے سے سچائی مثالوں کے سامنے آجاتی ہے۔''(۱۳)

شوکت صدیقی نے بیوروکریٹ طبقے کے اندرونی مسائل پر بہ نظر غائر توجہ کی ہے کہ یہ لوگ زنا کی برائی میں کس طرح ملوث ہو کر اپنے آپ کو اس سارے عمل سے بے عیب اور بری محسوس کرتے ہیں۔ کس طرح ان کی طبیعت مطمئن ہو جاتی ہے اور وہ اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کی عادت اُن کو کس طرح جرم نہ کرنے سے روکتی ہے اور مسلسل اس عادت میں استحکام کس طرح اور کس حد تک پیدا ہو جاتا ہے۔ لالی اس قسم کے حالات کو دیکھتے ہوئے کس حد تک چونک جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے کلبوں کے حالات اس کے لیے نئے اور اچنبھا کی سی کیفیت کے کیوں ہوتے ہیں۔ لالی کو اس سارے مرحلے میں کلب کی ساری کشی یوں ملتی ہے:

> یہاں کوئی لڑکا ہر طرح کا شوہر نہیں ہے اور کوئی عورت کسی کی بیوی نہیں ہے۔ ایک ہی دن میں سب سے زیادہ مؤثر۔ نوشابہ نے قہقہہ لگایا، اگر سخنا برابر کھانا کھانے اور برابر کے کپڑے لے جانے سے بیمار ہو سکتی ہے تو اسے ایک جیسے مرد اور ایک جیسی عورت کے ساتھ رہنے سے بیمار ہو جانا چاہیے۔ اس نے کہا، کیا چھپ کر گناہ کرنا اس سے بڑا نہیں کہ گناہ کو زندگی کی ضرورت سمجھ کر نہ بھولیں؟ اتنا رومانس، اتنا دل لگی۔''(۱۴)

شوکت صدیقی نے مظلوم طبقے کے حوالے سے بھی اس ناول میں بہت اعلیٰ حسیاتی سطح پر کام کیا ہے۔ علی احمد کھوکھر کی حیوانیت کو پینٹ کیا ہے۔ ثابت کیا ہے کہ کس طرح وہ مختلف لوگوں کو اپنے بھٹے پر رکھتا ہے۔ ان پر ظلم کرتا ہے۔ انھیں کس طرح اپنے ملازمین بنا کر ان کا خدا بن جاتا ہے اور کس طرح اس کے پاس گروی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سارے کچھ کے حوالے سے وہ علی احمد کھوکھر کی تصویر کشی الفاظ میں کرتا ہے جو علی احمد کھوکھر کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

> دو نے کوشش کی تھی۔ ان میں سے ایک بھاگتے ہوئے راکھ کی گولیوں سے مارا گیا۔ دوسرا چلا گیا۔ مسکر را کھاس نے بعد میں اسے بھی پکڑ لیا اور بے کار گولی مار

دی۔اسے نہ کفن دیا جاتا ہے نہ غسل دیا جاتا ہے۔رات کے اندھیرے میں وہ فرش پر ایک موٹی تہہ بچھا دیتے ہیں۔میرے سامنے تین قیدی مارے گئے۔ ''(۱۵)

شوکت صدیقی کے ناول ''جانگلوس'' کے حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف یوں لکھتے ہیں:

اصل مجرم لالی اور رحیم داد نہیں ہیں۔ بلکہ، وہ طاقت کی گرفت اور امیر طبقے کی گرفت ہے جو کھلے عام لوٹ مار کرتا ہے اور حساس لوگوں کا استحصال کرتا ہے۔ پاکستان میں ان سرکردہ مجرموں کے لیے نہ تو مضبوط قانونی رہنما خطوط ہیں اور نہ ہی جیل کی تقسیم۔ پنجاب کے ان بڑے جاگیرداروں اور جاگیرداروں کے آباؤ اجداد یا تو انگریزوں کے جاسوس اور نمک خوار ہیں۔ یا ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نئے ملک کے اندر چھوٹے کسانوں کی زمینوں پر فرضی دعووں کے ذریعے اور اپنے با اثر رشتہ داروں کی مدد سے قبضہ کر لیا اور ان پر فارم بنانے کے لیے دباؤ ڈالا۔ پاکستان کے جاگیردار دیہی معاشرے کے اندر اس زمیندار قوم کی حکمرانی اور بجلی چلتی ہے۔ اور لالی اور رحیم داد جیسے مریض یا تو مارے جاتے ہیں۔ یا کچرے پر سینکڑوں مر جائیں۔ ''(۱۶)

اس بات میں ذرا بھی تعجب نہیں ہے کہ معاشرہ کن کن حقائق سے مکمل ہوتا ہے۔ حالات کس زاویۂ حیات سے کن معاشرتی نقائص کو برتتے ہوئے سامنے لاتا ہے۔تاریخ ادب کی معاونت سے جس شعوری روش کے ماتحت سفر آمادہ رہتی ہے۔اس عہد کے اعلیٰ ذہن اپنے ہونے کا ثبوت تخلیقی اعتبار سے داستان، ناول، افسانہ میں ڈھالتے ہیں اور قارئین کے سامنے اس ساری تاریخی حالت کی عکاسی کرتے ہیں۔ جسے رؤف پاریکھ اس طرح اپنی کتاب ''اُردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر'' عصری صورتِ حال کے تناظر میں ملاحظہ ہو:

"ادب تاریخ، سماجی تبدیلیوں اور ہر ٹیکنالوجی سے باخبر اور جدوجہد کرنے والے طبقے کے رویوں پر مشتمل ہوتا ہے۔اس طرح ہر دور کے ادب کے اپنے موجودہ دور کے رجحانات، نظریات اور خیالات ہوتے ہیں اور ہر ٹیکنالوجی کا ادب اپنی

جدید خصوصیات، خیالات رکھتا ہے۔ اور اس کے خیالات، اقدار، ذہنی تنوع، سماجی اور ثقافتی تاریخ کو بہت پیچیدہ کہا جا سکتا ہے۔"(۱۸)

محولہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ معاشرہ سارے منظر نامے میں اس وقت تبدیل ہوتا ہے جب لکھنے والا اس سارے معاشرے کا حصہ بن جانے اور ایک عام انسان بن کر تماشا دیکھے اور سارے تماشے کو بہت احتیاط سے دیکھے اور سارا کچھ پوری دیانت داری سے لکھے تا کہ ناجاننے والے قاری بن کر جان لیں کہ مصنف کس حال میں معاشرہ کو رقم کیا ہے۔ معاشرے کا سب سے بڑا روگ آج بھی دو طبقوں کی تقسیم ہے اور غربت کے اثرات سے پیدا شدہ حالات سے کیا بعید نہیں ہے۔ غریب انسان معاشرے میں امیر طبقے کے سامنے ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

شوکت صدیقی نے ایک کردار ارشاد مہاجر کا بنایا ہے۔ اس کی ماں بہن ایک جاگیر دار کے پاس کام کرتی ہیں۔ جاگیر دار اس کی بہن کو زیر عتاب لا کر اس کی عزت پامال کر دیتا ہے۔ لڑکی خودکشی کا قصد کرتی ہے۔ زمین دار ان کو اپنی بستی سے نکال باہر پھینکتا ہے۔ اس سارے منظر کو شوکت صدیقی لکھتے ہیں:

> ایک دن ماں نے دیکھا کہ سکینہ کے پیٹ میں بچہ ہے۔ وہ بہت غصے میں آ گئی۔ صبح ہوتے ہی وہ بہت ماضی بن گیا۔ اس کا فریم بعد میں ایک نہر میں تیرتا ہوا بن گیا۔ کس نے اسے مار کر فریم نہر میں پھینکا؟ اب وہ قتل نہیں ہوا، اس نے نہر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ ارشاد نے گہرا سانس لیا۔ جب مالک مکان کو پتہ چلا تو اس نے اپنے کمرے میں ماں کے طور پر کہا۔ اس نے دو سو روپے دیے اور دھمکی دی کہ اگر تم نے سکینہ کے بارے میں ہر لاش کو اطلاع دی تو تمہاری بیٹی کا بھی پتہ چل جائے گا۔ والدہ اتنی خوفزدہ ہوئیں کہ مجھے اپنے ساتھ لے گئیں اور ایک رات شاہ پور جہانیاں چھوڑ گئیں۔"(۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ یہ ناول اشرافیہ کے ان معاملات کی قلعی کھولتا ہے۔ جو نام نہاد مہذب اور لوگوں کی بے رہنما کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ان کی طبیعت کیسی ہے ان کا ظاہر اور باطن کس قدر مختلف ہے۔ ان کے نظریات کس طرح سے ہیں۔ وہ عورت کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں۔ ان کا دولت کی ہوس کے حوالے سے کیا تصور ہے۔ ان کی سوچ میں غربا کا کیا معیار ہے اور غربا کو ان کے نزدیک کس طرح برتا جائے یا ان کے ساتھ سلوک کیسا

کیا جائے۔ اشرافیہ کا استحصالی ذہن کیا کیا کچھ سوچ رہا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے شوکت صدیقی کا کام اہمیت رکھتا ہے اور ڈاکٹر میاں مشتاق احمد اس پر کیا رائے رکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

> یہ ناول استحصالی قوتوں کا قلعہ کھولتا ہے۔ خاص طور پر جاگیر دارانہ گیجٹ۔ جس کی جڑیں جنوبی پنجاب میں ہیں۔ یہ منفی اور محروم عظمت کے لئے مدد پیدا کرنے اور امیر خوبصورتی کے اگواڑے کے پیچھے چھپی ہوئی ناخوشگوار شخصیات کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''(۲۰)

انسانی تصورِ حیات برائی اور سچائی سے لیس ہے۔ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کس قدر خود کو مجبور تصور کرتا ہے یا خود مختار سمجھتا ہے۔ بہر حال قوتِ ارادہ و شوق دونوں اس کے بس میں ہیں۔ کبھی کبھار انسانی خواہشات کا بے لگام منہ زور گھوڑا اپنی ہٹ دھرمی سے آگے بڑھتا ہے۔ اور عقل مفقود ہو جاتی ہے۔ جس کا پوری کائنات میں کوئی حل نہیں۔ انسان بہر حال خطا کا پتلا ہے۔ اور وہ مختلف عوامل میں مصروفِ عمل ہو کر وقت کا انتخاب کرتا ہے کہ کیسا عمل کون سے وقت کے لیے مناسب ہے۔

خواہشات کی موجودگی اس عمل کو تخریب کاری سے مزین کرتی ہے۔ یوں طبیعت عیب آگاہ ہونے کے باوجود بھی اس گناہ کو تلذذ کے ذیل میں رکھتا ہے۔ اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ شوکت صدیقی نے جہاں بڑے لوگوں کے عیب ناول کا حصہ بنائے ہیں وہاں وہ اس بات سے بے خبر نہیں نظر آتے کہ کون شخص کس قبیلے سے ہے اور کیا کر رہا ہے۔ یعنی چھوٹے قبیلے کے لوگوں کے مسائل، عیوب اور خرابیاں بھی شوکت صدیقی سے آنکھ بچا نہ سکیں۔ اچھا اس بات کو سوچتے ہوئے اس نے کہا کہ اندر چلا جا میرا موڈ خراب ہو چکا ہے۔ شوکت نے صداقت کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ صرف جاگیر دار ہی نہیں جو اس طرح مسائل میں ملوث ہیں۔ بل کہ وہ سارے عوامل جو نچی سطح پر سر گرم عمل ہے۔ کیا ہے؟ لیکن ایک بات قابلِ غور ہے کہ چھوٹے لوگوں کے مسائل بھی اصل میں بڑوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ شوکت صدیقی نے اس ناول میں پیر بخش کے کردار کو جس سلیقے سے سامنے رکھا ہے۔ اس سے چشم پوشی غیر ممکن ہے۔ پیر بخش گورکن ہے۔ ساتھ ہی اس نے جنسی تعلقات کا سلسلہ بھی ہے اور خطرناک بات یہ ہے کہ اسے ان معاملات میں جنسی تعلقات میں اپنی بہو بختاور سے رجوع پذیرائی دیتی ہے۔

اس حوالے سے جرمیات کے مصنف کی رائے ملاحظہ ہو:

بعض جنسی جرائم اس قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ اب جسمانی نقصان کا باعث نہیں بنتا۔ لیکن اس سے انسان کے اخلاقی اور مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔"(۲۱)

اس کردار کا مسئلہ صرف جنس کا نہیں ہے بلکہ گورکن ہونے کی وجہ سے یہ لاشوں کے پنجر بھی فروخت کرتا ہے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ اس کے خریدار بھی حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود بھی اس ظلم و بے حرمتی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تعزیراتِ پاکستان میں حال آں کہ اس کام کے بارے میں سخت احکام ہیں۔ ۲۹۷ کی دفعہ اس حوالے سے ہے۔ یعنی قبروں کی بے حرمتی کرنا صریح جرم ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس لوگ اس "دفعہ" کو جانتے ہوئے بھی بھی دولت کی ہوس میں مبتلا ہو کر کام کرتے رہتے ہیں۔

خریدار بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی میڈیکل کے شعبے کے لوگ اس پنجر پر تجربات کرنے کے لیے مختلف لوگوں کے ذریعے یہ لاشیں خرید لیتے ہیں۔

اس حوالے سے شوکت صدیقی کا لکھا ہوا اقتباس ملاحظہ ہو:

"اگر ہسپتال یہ کاروبار نہیں کرتے تو وہ اپنا کاروبار کیسے کریں گے؟" یہ سمجھیں کہ وہ ہسپتالوں کے نام پر بھی اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک سرکاری طبّی ادارے سے ۱۰ پنجرے خریدے جاتے ہیں۔ لہذا رجسٹر ۴۰ دکھاتے ہیں اور ہماری سپلائی کا استعمال کر کے کمی پوری ہوتی ہے۔"(۲۲)

بھوک اور غربت کا تصور بھی ناول کا ضروری حصہ ہے۔ جرمیات کے تعارفی کلمات میں یہ بات زیرِ بحث لائی جا چکی ہے۔ غربت بہت بنیادی سبب بنتا ہے۔ جرائم آمادہ ذہن کبھی کسی شدید محرومی سے گزرتا ہے اور اس محرومی کے محرکات میں سب سے زیادہ دبانے والے شخص یا ماحول کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ یوں نتیجتاً ایک ایسا درندہ صفت انسان معاشرے کا حصہ بن جاتا ہے۔ جو ہوتا بھی اسی زمین مٹی سے ہے لیکن اس کے اندر نفرت کی فضا اتنی بھیانک ہوتی ہے کہ کچھ بھی کر گزرنا اس کے نزدیک بے معنی ہوتا ہے۔ بے حسی ایک سطح پر طاقت بن جاتی ہے اور یہ طاقت ظلم کے مقابلے میں دوسرا ظلم ہوتی ہے لیکن اس کا حل اور علاج کرنا بھی اسی معاشرتی تعاون اور توازن میں موجود ہے۔ احساس انسان اگر معاشرے کا اوّلین مقصد ہو تو اس عمل کو غیر یقینی حد تک معاشرے سے دور نکالا جا سکتا ہے۔ شوکت صدیقی نے بھی غربت کی چکی میں پستے ہوئے لوگوں کا تعین ذات کرتے ہوئے اس منظر میں جان ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں بے حسی پروان چڑھتے ہوئے حساس آکسیجن کو ماحول سے ندارد کر دیتی ہے۔ اور معاشرہ بے یار و مددگار آکسیجن کے نا ہونے سے اخلاقی اقدار کا قتل ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور

حیرت زدہ ہو کر مسلسل دیکھتا ہے۔ اس سے خطرناک مسئلہ یہ ہے کہ اگر انسان پیٹ بھر کر کھالے تو اس کی بازوؤں میں طاقت آجاتی ہے اور طاقت کسی جنسی آزمائش کا طلب گار منظر نامہ طلب کرتی ہے۔ یوں پیٹ سے بازوؤں تک کا سفر آسائش، مصروفیت اور جنسی طلب گاری سے مملو ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور تسکین کے ذرائع درست غلط خود بخود وقوع ہوتے جاتے ہیں اور حالات کا دھارا وقت کے پہیوں پر چلتا ہے۔ جس بھی منزل کا تعین کرتا ہے وہ خرابی اور جرم سے تعبیر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''پاکستان کے محدود ماحول اور اخلاقی سختی کے پیش نظر یہ واقعہ غیر حقیقی لگتا ہے۔ لیکن اگر ہم اس شان و شوکت کو ذہن میں رکھیں تو یہ بھی ممکن نہیں کہ ضروریاتِ زندگی آسانی سے پوری ہو جائیں اور دولت اور توانائی کے اضافی ہونے کی وجہ سے شخصی وجود اس قدر یکسر ہو جاتا ہے کہ اس زندگی کی تمام آسائشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اعتدال پسند ہو کیا یہ ہوتا ہے؟ اس سے اختراع کے تمام مواقع کھل جاتے ہیں۔ لہذا وہ اعلی درجے کی رازداری کے ساتھ تجربہ کی اس شکل کو کر سکتا ہے۔''(۲۳)

محولہ بالا اقتباس اور اس سے گزشتہ بحث اس بات کی غماز ہے کہ معاشرے میں اس حد تک چلے جانے والے لوگوں کے لیے سوائے اکتاہٹ کے اور کوئی جائے اماں نہیں ہوتی۔ وہ مسلسل اضطراب اور آگے بڑھتے کرنے کے فوبیاز سے گزرتے ہوئے Psychologically بیمار ہو جاتے ہیں۔ سوائے بے راہ روی کے ان لوگوں کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اپنا چنا ہوا راستہ انھیں کدھر لے جاتا ہے۔ وہ چلے جاتے ہیں لوٹ کر نہ آنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی شوکت صدیقی کا ناول جانگلوس ایک بھرپور ناول ہے جس میں دیہات اور شہرت کے نمائندگان دیہات اور نمائندگان شہر کی ظاہری اور باطنی تصویر کشی کرنے کی مکمل کوشش نظر آتی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ ناول واحد صنفِ سخن ہے جو پورے معاشرے عکس بندی کے لیے کیمرے کی آنکھ کھلی رکھتی ہے۔ اور ساری تصاویر کو مضبوط او ر مستحکم جگہ پر محفوظ کرنے کی عادت سے واقف ہے۔ شوکت صدیقی نے بھی دیہی اور شہری زندگی کے ظلم و ستم کی تصاویر کو مضبوط اور مستحکم جگہ میں شامل کر رہا ہے اور ناول کو مکمل کرتے ہوئے البم کو بند کر دیا ہے تاکہ کھولنے والا اسے دیکھے اور اپنے گزشتگان کی حرکاتِ ظاہری اور باطنی کا زمانی اعتبار سے عینی شاہد بن جائے۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر، اُردو ناول کے چند اہم زاویے، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۱۶ء، ص:۱۷۷

۲۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد اوّل، کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۵۶۸

۳۔ ایضاً، ص:۵۱۸

۴۔ حنیف فوق، ڈاکٹر، شوکت صدیقی ایک مطالعہ، مشمولہ: قومی زبان کراچی، جلد ۷، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۹۸ء، ص:۹۳

۵۔ عبدالقادر، ڈاکٹر، جرمیات، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۹ء، ص:۲۷

۶۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ص:۲۴۵

۷۔ نجیبہ عارف، ۱۱/۹ اور پاکستانی اُردو افسانہ، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۱ء، ص:۲۲

۸۔ عبدالقادر، ڈاکٹر، جرمیات، ص:۵۶

۹۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ص:۴۲۱۔۴۲۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۴۸۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۹۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۲۵

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۸۶

۱۴۔ میاں مشتاق احمد، جانگلوس کا تنقیدی مطالعہ، مشمولہ: شوکت صدیقی افکار و شخصیت، کراچی: کتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۳۰۳

۱۵۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ص:۳۰۹

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۴۳

۱۷۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اُردو ناول، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء، ص:۱۲۰۔۱۲۱

۱۸۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، اُردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص: ۱

۱۹۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد سوم، ص: ۵۱۹

۲۰۔ میاں مشتاق احمد، ڈاکٹر، جانگلوس کا تنقیدی مطالعہ، مشمولہ: شوکت صدیقی افکار و شخصیت، ص: ۲۹۳

۲۱۔ عبدالقادر، ڈاکٹر، جرمیات، ص: ۸۶

۲۲۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، ص: ۲۵۵

۲۳۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، اُردو ناول برصغیر میں، دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۲۰